شانِ ابراہیمی اور عصمت انبیاء

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳ / جون ۱۹۸۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ
اِنِّيْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٧٥ وَكَذٰلِكَ
نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ
مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝٧٦ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ
هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝٧٧
فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ
قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۤلِّيْنَ ۝٧٨
فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ
فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝٧٩
اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
حَنِيْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝٨٠ ۚ وَحَاۤجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ
قَالَ اَتُحَاۤجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَاۤ اَخَافُ مَا
تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَاۤءَ رَبِّيْ شَيْئًا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ

شَيْءٍ عِلْمًا ۗ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٨١﴾ وَكَيْفَ أَخَافُ
مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُم بِاللَّهِ مَا لَمْ
يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ۚ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ
بِالْأَمْنِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٢﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا
إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٨٣﴾
وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ
مَّن نَّشَاءُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٨٤﴾ (الانعام:۷۵-۸۴)

اور پھر فرمایا:

قرآن کریم نے مختلف انبیاء کو مختلف صفات حسنہ سے متصف دکھایا ہے اور وہ تمام صفات حسنہ جو مختلف انبیاءؑ میں نمایاں شان کے ساتھ نظر آتی ہیں وہ تمام کی تمام بلکہ ان سے شان میں بہت بڑھ کر آنحضرت ﷺ کے مبارک وجود میں جمع ہو گئیں۔

قرآن کریم کا یہ اسلوب بیان اور طریق حکمت ہے جس کے ساتھ اس نے ان تمام خوبیوں کو جو انبیاء میں ورق ورق پھیلی پڑی تھیں ان کو مجموعی رنگ میں آنحضرت ﷺ کی ذات میں اکٹھا کر دیا ہے اور سب انبیاء سے آپؐ کو ہر شان میں بڑھ کر دکھاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو خوبیاں قرآن کریم نے نمایاں طور پر پیش کیں ان میں ایک آپ کی سچائی تھی۔ فرمایا اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٤٢﴾ (مریم:۴۲) وہ بہت ہی سچ بولنے والا اور جھوٹ سے بہت متنفر انسان تھا۔ آپ کی دوسری خوبی توحید کے ساتھ عشق دکھائی گئی یعنی ایسا کامل موحد، شرک سے ایسا بیزار کہ کبھی کسی صورت میں بھی جان، مال، عزت کی پرواہ نہ کی اور بے دھڑک ہر چیز خدا کی توحید کی خاطر داؤ پر لگا دی، نہ اپنوں سے خوف کھایا نہ غیروں سے، نہ ماں باپ کا احترام حائل ہوا۔ غرض توحید کے مقابل پر ہر دوسری قدر کو حقیر اور ذلیل سمجھا اور خالصۃً للہ ہو گئے اور واقعۃً حقیقت پر قائم ہوتے ہوئے فرمایا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کہ دیکھو! میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میری طبیعت میں ہی شرک داخل نہیں ہے۔ میں توحید کے ساتھ عشق کے ایسے بندھن میں باندھا گیا ہوں اور میرے خمیر میں اللہ تعالیٰ کی توحید کچھ اس طرح رکھ دی گئی ہے اور میری گھٹی میں اللہ کی محبت پلا دی گئی ہے کہ شرک سے کبھی کسی مقام پر اور کسی منزل پر میرا کوئی علاقہ اور

تعلق نہیں دیکھو گے ۔ وَّمَآ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ کسی حالت میں بھی مجھے شرک کرنے والوں میں سے نہیں پاؤ گے۔

علاوہ ازیں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تیسری خوبی یہ بیان فرمائی گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حجت میں کمال رکھتے تھے۔ دلائل اور براہین میں آپ کو ایک غیر معمولی ملکہ عطا کیا گیا تھا۔ مقابل پر آپ ایسے براہین پیش کرتے تھے اور ایسے دلائل دیا کرتے تھے کہ فَبُهِتَ الَّذِیۡ کَفَرَ (البقرۃ:۲۵۹)۔ مد مقابل حیران و ششدر رہ جاتا تھا نُکِسُوۡا عَلٰی رُءُوۡسِهِمۡ (الانبیاء:٦٦) مخالف گویا سروں کے بل الٹ جایا کرتے تھے۔

لیکن بڑی بدقسمتی ہے کہ سرسری نگاہ سے ان آیات کا مطالعہ کرنے والے بعض لوگوں نے جب تفسیریں لکھیں تو ہر جگہ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خوبی بیان کی گئی تھی وہیں اس کے برعکس نقص بیان کرنے شروع کر دیئے، جہاں سچائی کا کمال دکھایا گیا تھا وہاں جھوٹ نظر آ گیا، جہاں توحید کی شان بتلائی گئی تھی وہاں شرک دکھائی دیا اور جہاں کمال درجہ کی محبت بتائی گئی وہاں ایک ایسی لغو دلیل آپ کی طرف منسوب کر دی جو بالکل بے کار، بے معنی اور بے حقیقت ہو۔ بسا اوقات یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا دشمنی کی آنکھ سے دیکھا گیا ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ یہ بات نہیں۔ نادان کی دوستی بعض اوقات ہوشیار دشمن کی دشمنی سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ غفلت کی آنکھ سے دیکھا گیا ہے دشمنی کی آنکھ سے نہیں دیکھا گیا لیکن نتیجہ وہ نکلا جو دشمن کو مطلوب تھا اور اس طرح دشمن کے ہاتھ مضبوط کئے گئے۔ چنانچہ میں نے ایک مثال پچھلے خطبہ میں آپ کے سامنے رکھی تھی۔ اب میں دوسری مثال آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

گزشتہ خطبہ میں جن آیات کی میں نے تلاوت کی تھی ان کی تفسیریں لکھتے وقت بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صدق پر بھی حملہ کیا گیا اور آپ کی حجت پر بھی حملہ کیا گیا یعنی قرآن کریم کی طرف سے جو خوبیاں بیان کی گئی تھیں ان کو الٹا کر دیکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ تو بڑے فخر سے اس واقعہ کو پیش فرما رہا ہے اور فرماتا ہے دیکھو! کیسی شاندار حجت تھی ابراہیمؑ کی لیکن اس کے برعکس بتایا یہ جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت توڑنے کے بعد جھوٹ کے ذریعہ بچنے کی کوشش کی تھی لیکن ایسا کمزور اور ایسا بودا سا جھوٹ تھا کہ فوراً پکڑا گیا۔ اور خدا فرماتا ہے کہ دشمن نے منہ کی کھائی اور بیان

کرنے والے کہتے ہیں گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (نعوذ باللہ) منہ کی کھائی۔ منہ کی تو وہ کھاتا ہے جس کا جھوٹ موقع پر پکڑا جائے اور جو ذلیل ہو جائے اور پھر اپنے کئے کی سزا پانے کے لئے اسے مقتل کی طرف گھسیٹا جائے وہ شخص منہ کی کھاتا ہے یا وہ جو دھوکے میں نہیں آتا؟ تو گویا تفسیر نے سارے مضمون کو الٹ دیا۔ اللہ تعالیٰ تو یہ بیان فرمارہا تھا کہ میرا بندہ اتنا دلیر، اتنا قوی اور ایسے شاندار دلائل پیش کرتا ہے کہ دلائل کے رنگ میں اس نے ایک ایسی بات بیان کی کہ دشمن اپنی شکست تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا اور دشمن جانتا تھا اس وقت بھی کہ ابراہیم محض اس کو ذلیل کرنے کی خاطر یہ طریق اختیار کر رہا ہے بچنے کی خاطر نہیں کیونکہ بچنے کی خاطر اگر طریقہ اختیار کرنا ہوتا تو پہلے خود ان کو کیوں بتاتا؟ اس لئے جب وہ ذلیل وخوار ہوئے اور حجت باقی نہ رہی تب وہ اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے اور ابراہیمؑ کے مقابل پر تلوار اٹھانے کی کوشش کی اور آگ میں جلانے کی دھمکی دی۔

جو آیات میں نے آج تلاوت کی ہیں ان میں توحید کا مضمون خصوصیت کے ساتھ بیان ہوا ہے اور انہی آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف بعض مفسرین نے شرک منسوب کیا ہے۔ آپؑ کا درجۂ صداقت آپؑ کی حق گوئی کا کمال بھی دکھایا گیا ہے اور انہی آیات میں مفسرین کو وہ مقام مل گیا جہاں کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ بولا۔ یعنی حق کی خاطر جھوٹ بولا، اللہ کی خاطر جھوٹ بولا۔ حیرت انگیز تضاد ہے۔ حق اور جھوٹ کا کیا تعلق؟ روشنی اور اندھیرے کا کیا تعلق؟ خدا کی خاطر جھوٹ بولنا تو ایسا لغو فعل ہے جسے کوئی معمولی عقل کا انسان بھی نہیں کرسکتا کجا یہ کہ اللہ بڑی شان کے ساتھ ایک کامل اور صادق نبی پیش کر رہا ہو اور بیان یہ کر رہا ہو کہ دیکھو میرے بندہ نے میری خاطر جھوٹ بولنے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہوا۔ کیسا لغو خیال بن جاتا ہے۔

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے اور اس کا آغاز دیکھئے کہ کس شان کے ساتھ کیا گیا ہے۔ فرماتا ہے کہ ابراہیمؑ تو شروع سے ہی میری خاطر لوگوں سے بحث کرنے والا تھا۔ بچپن سے ہی وہ میرا تھا اور اپنے چچا سے بحثیں کیا کرتا تھا کہ یہ کیا جھوٹے بت بنا کر تم ان کے آگے بیٹھ رہے ہو۔ میں تمہیں بھی اور تمہاری قوم کو بھی کھلی کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں۔

پس یہ ہے مضمون کا آغاز جس میں ایک کامل موحد کی شان بیان کرتے ہوئے پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ کو اسی حالت پر نہیں رہنے دیا۔ اس پر ہم نے عرفان کی بارش کی، اس کو

آفاقی حکمتیں بھی سکھائیں اور اندرونی حکمتیں بھی اس پر روشن کیں۔ فرمایا کہ اس کی آفاقی حکمتوں کو پانے کا انداز یہ تھا کہ ابراہیم بسا اوقات اپنے رب کی ذات میں مگن ہوکر دشمن کے دلائل پر غور کیا کرتا تھا اور سوچا کرتا تھا کہ میں دشمن کو کس طرح شکست دوں۔ چنانچہ اسی کیفیت میں اس کی آسمان پر نظر گئی اور اس نے ستاروں کو دیکھا اور کہا اچھا یہ ہے میرا رب جو بیان کیا جاتا ہے یعنی یہ جاہل قوم ہے۔ ان کے بتوں کی تو ہمارے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔ جب بتوں سے اوپر جائیں گے تو پھر ستاروں کو پیش کریں گے کہ یہ ہیں تمہارے رب اور پھر جب اس نے ستاروں کو ڈوبتے ہوئے دیکھا تو کہا دشمن کے خلاف کیسی اچھی دلیل ہاتھ آئی۔ اب میں ان سے کہوں گا کہ اچھا! یہ میرا رب ہے۔ لو ڈوب گیا تمہارا رب۔ میرا تو یہ رب نہیں ہوسکتا جو ڈوب جانے والا ہو۔ پھر وہ اس سے بڑھ کر چاند کو میرے سامنے پیش کریں گے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی Soliloquy یعنی اپنے دل سے باتیں کرنے کی کیفیت دکھائی گئی ہے۔ ان کا ازخود باتیں کرنا اور فکر میں ڈوبنا اور خدا کی خاطر دلائل تلاش کرنا، آفاق سے دلائل حاصل کرنا جیسا کہ قرآن کریم خود بیان کررہا ہے۔ نُرِیٓ اِبۡرٰہِیۡمَ مَلَکُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ہم نے اس کو زمینی حجتیں بھی دی تھیں، زمینی دلائل بھی اس پر روشن کئے تھے اور آسمانی حجتیں بھی اس کو عطا کی تھیں اور آسمانی دلائل بھی اس پر روشن کئے تھے اور طریق کار یہ تھا کہ وہ خدا کی ذات میں گم ہوکر بیٹھا سوچا کرتا تھا۔ اور پھر چاند پر اس کی نظر پڑی اور اس نے کہا کہ اچھا ستاروں کے بعد یہ چاند میرا رب بنایا جائے گا گویا کہ یہ میرا رب ہے تو چاند کو بھی اس نے ڈوبتے ہوئے دیکھا جیسا کہ ہمیشہ سے دیکھا کرتا تھا اور کہا کہ اچھی دلیل ہاتھ آئی۔ میں کہوں گا اچھا یہ بڑا ہے، شاید یہ ہو میرا رب لیکن دیکھو یہ بھی تو ڈوب گیا اور میں ڈوبنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ اور پھر سورج کو اس نے دیکھا اور کہا اس کے بعد دشمن کے پاس اور کوئی چیز پیش کرنے والی نہیں ہے۔ کائنات میں سب سے بڑی سب سے طاقتور اور سب سے زیادہ مؤثر چیز جو دشمن کو دکھائی دیتی ہے وہ سورج ہے۔ تو میں ان سے کہوں گا ھٰذَا رَبِّیۡ یہ ہے میرا رب ھٰذَاۤ اَکۡبَرُ یہ سب سے بڑا ہے اس لئے اگر کوئی رب ہونے کا حق رکھتا ہے تو یہ ہے مگر یہ رب تو روز ڈوبتا ہے اور ڈوبنے والا میرا رب کس طرح ہوسکتا ہے اس لئے تمہیں یہ رب مبارک ہوں مجھے یہ رب ہرگز کسی قیمت پر قبول نہیں ہیں۔ اِنِّیۡ وَجَّہۡتُ وَجۡہِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ یہ دلیل کامل ہوئی کہ میں تو اپنا

چہرہ ہمیشہ اپنے رب ہی کی طرف وقف رکھوں گا جس نے زمین آسمان کو اور ان سب چیزوں کو پیدا کیا۔ حَنِيفًا ہمیشہ اسی کی طرف جھکا رہوں گا، وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور مجھے تم کبھی کسی حالت میں بھی شرک کرنے والا نہیں پاؤ گے۔

یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کامل کو جس شان سے پیش کیا ہے اس کو الٹاتے ہوئے بعض مفسرین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شرک انہی آیات سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی عقل کی حالت حیرت انگیز ہے کہ جب شرک منسوب کیا تو فوراً دماغ میں خیال آیا کہ **نعوذ باللہ من ذلک** قرآن کریم ایسی لغوبات کیسے کرسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام روزانہ ستاروں کو دیکھتے تھے، چڑھتے ہوئے بھی اور ڈوبتے ہوئے بھی،۔ چاند کو چڑھتا دیکھتے تھے اور ڈوبتا دیکھتے تھے، سورج ہر روز طلوع ہوتا تھا اور غروب ہو جایا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ یہ کیا بات کر رہا ہے کہ اچانک ایک دن ستاروں کو انہوں نے خدا بنالیا جو ہر روز ڈوب جایا کرتے تھے۔ کیا اس دن پہلی دفعہ انہوں نے ستاروں کو ڈوبتا ہوا دیکھا تھا۔ کیا پہلی مرتبہ علم ہوا تھا کہ چاند غروب ہو جایا کرتا ہے اور سورج بھی ڈوب جاتا ہے۔ اس کا حل سنیئے۔ اس کا حل مفسرین نے یہ نہیں نکالا کہ لازماً یہ نتیجہ غلط ہے اور یہی حل ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے نبی کی طرف کوئی لغو فعل یا لغو کلام منسوب نہیں ہوسکتا اس لئے یہ نتیجہ غلط ہے۔ چنانچہ یہ نتیجہ نکالنے کی بجائے انہوں نے ایک کہانی بنائی جو ہمارے ملک کے بعض علاقوں میں رائج بچوں کی کتابوں میں انبیاء کی جو کہانیاں ہیں ان میں یہ کہانی درج ہے۔ بچوں کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کی خاطر کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو توحید کے علمبردار اور توحید کے شہزادہ تھے دراصل وہ بھی نعوذ باللہ بڑے مشرک تھے اور یہ توجیہہ پیش کی گئی ہے کہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کے متعلق بچپن سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ نبی بننے والا ہے اور بچپن سے ہی خطرہ تھا کہ اس نے بڑے ہو کر ہمارے خداؤں کے خلاف اعلان کرنا ہے۔ لہٰذا ان کے چچا نے ان کو ایک اندھیری غار میں قید رکھا اور جب تک بالغ نہیں ہوئے انہوں نے نہ سورج دیکھا نہ چاند اور نہ ستارے کلیۃً اندھیرے میں پرورش پائی۔ جس دن غار سے پتھر ہٹا کر ان کو باہر نکالا گیا رات کا وقت تھا پہلے ستاروں پر نظر پڑ گئی رب کی تلاش میں بیٹھے ہوئے تھے انتظار کر رہے تھے۔ کہا اچھا پھر یہی رب ہوگا۔ (تفسیر ابن جریر طبری زیر آیت فلما جَنَّ علیہ اللیل رأ کوکبا۔ الدر المنثور زیر آیت ھذا) ایسی لغو اور بے ہودہ کہانی بچپن سے لوگوں کے

دماغوں کو مسموم کرنے کے لئے پڑھائی جارہی ہے اور کوئی اس کی باز پرس نہیں کر رہا۔

خدا تعالیٰ نے تو بات ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید کے مسئلہ پر باپ کے ساتھ جھگڑے سے شروع کی تھی یہ بتانے کی خاطر کہ تم دھوکے میں نہ پڑ جانا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرز استدلال تھی۔ یعنی دشمن کے کلام کو جھوٹا کرنے کے لئے استعمال کرنا۔ یہ استدلال کی ایک طرز ہوا کرتی ہے۔ جس طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿٥٠﴾ (الدخان: ۵۰) ہاں چکھ اب اس سزا کو تو تو عزیز بھی ہے اور کریم بھی ہے۔ تو کیا نعوذ باللہ من ذالک خدا تعالیٰ نے جھوٹ بولا کہ دشمن کو، ذلیل و خوار بندہ کو جس کو جہنم میں ڈال رہا ہے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ تو عزیز ہے اور کریم ہے، بڑا غالب ہے اور بڑی عزت والا ہے۔ اگر وہاں سے جھوٹ کا نتیجہ نکلتا ہے یا شرک نکلتا ہے تو یہاں سے بھی نکلنا چاہئے۔ یہ ایک طرز کلام ہے استدلال کا ایک انداز ہے کہ دشمن کی بات اسی کے منہ سے بیان کی جائے اور پھر اس کو غلط ثابت کر دیا جائے اور جھوٹا ثابت کر دیا جائے۔

پس یہاں بھی یہی مراد تھی لیکن یہیں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایک جھوٹ کا بہتان بھی باندھ دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس گفتگو کے دوران جب اس نتیجہ پر پہنچے کہ میں ان لوگوں کو ذلیل کرنے کی خاطر ان کے بت توڑوں تو انہوں نے ایک موقع پر جواب دیا اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿٩٠﴾ (الصافات: ۹۰) میں تو بیمار ہوں اور دراصل یہ جھوٹ تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام بیمار کوئی نہیں تھے۔ ان کی نیت یہ تھی کہ یہ لوگ چلے جائیں تو پھر میں ان کے بتوں کو توڑ دوں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جو اِنِّيْ سَقِيْمٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کو بہانہ بنا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جھوٹ کا بھی الزام لگا دیا گیا حالانکہ واقعہ یہ ہے سقیم کا لفظ مختلف معانی میں محاورتاً استعمال ہوتا ہے جس طرح مثلاً انگریزی میں کہتے ہیں I am sick of you میں تم سے بیمار ہو گیا ہوں، میں تھک گیا ہوں، میں بے زار ہوں۔ غرض کسی سے انتہائی بے زاری کے اظہار پر لفظ بیمار استعمال کیا جاتا ہے اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ تم نے تو مجھے بیمار کر دیا ہے۔ تم ایسے لغو دلائل پیش کر رہے ہو اور ایسی بے عقلی کی باتیں کر رہے ہو کہ تم نے تو گویا مجھے بیمار کر دیا، مجھے لاچار کر کے رکھ دیا ہے، میرے اعصاب توڑ دیئے ہیں۔ یہ بھی ایک طرز بیان ہے۔

پس حضرت ابراہیم علیہ السلام جب محو گفتگو تھے اور دشمن نہایت ہی لغو اور بے معنی دلائل سامنے پیش کر رہا تھا اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اِنِّیْ سَقِیْمٌ میں تو تمہاری باتوں سے بیمار ہوا جاتا ہوں یا تمہارے غم میں بیمار ہوا جاتا ہوں، تم کیوں ہلاک ہو رہے ہو اور کیوں پاگلوں والی باتیں کرتے ہو۔ چنانچہ اس اظہار کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جھوٹ کے طور پر پیش کیا گیا کہ گویا آپؑ یہ کہنا چاہتے تھے کہ میں بیمار ہو گیا ہوں مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ۔ چنانچہ اس پر وہ ابراہیمؑ کو اپنے بتوں کے پاس چھوڑ کر چلے گئے جو یہ کہتا تھا کہ میں بتوں کو توڑ دوں گا۔ وہ لوگ بھی عجیب احمق تھے کہ دھوکے میں آ گئے، بحث تو یہ ہو رہی ہے کہ اچھا جب میرا داؤ لگے گا میں بتوں کو توڑ دوں گا اور اچانک کہتا ہے میں بیمار ہو گیا ہوں۔ ان کا جواب تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ بیمار ہو گئے ہو تو گھر جا کے بیٹھو یہاں بت خانے میں کیا کر رہے ہو۔ لیکن مفسرین کہتے ہیں کہ نہیں، انہوں نے کہا اچھا اگر بیمار ہو گئے ہو تو پھر اسی بت خانے میں لیٹ جاؤ۔ چنانچہ وہ چلے گئے تو انہوں نے پیچھے سے بت توڑ دیئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عظیم احسانات میں سے ایک یہ احسان بھی ہے کہ آپؑ نے تمام انبیاء کی عصمت کو دوبارہ ثابت کیا اور وہ تمام الزامات جو کلام حکیم پر لگائے گئے تھے اور خدا کے مقدس انبیاء پر لگائے گئے تھے ان کو یک قلم چاک فرما دیا اور اپنے غلاموں کو ایسی سوچ عطا کی کہ جس کے نتیجہ میں کلام حکیم ایک نئی شان کے ساتھ ہم پر جلوہ گر ہوا اور انبیاء علیہم السلام کی قوت قدسیہ ہم پر خوب اچھی طرح روشن ہوئی اور ہم نے پہچان لیا کہ اللہ کے بندے جن کو خدا نبوت کے لئے چنا کرتا ہے وہ ہر قسم کے عیوب سے پاک ہوتے ہیں ہر قسم کی خوبیاں ان کو عطا کی جاتی ہیں۔ ان کی مثالیں ان کی خوبیوں کو زندہ رکھنے کے لئے ہمیشہ پیش کی جاتی ہیں اس لئے نہیں کہ ان کی برائیاں گنوا کر ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں ذلیل وخوار کرے۔

ایسا الٹ مضمون جب پیش کیا جاتا تھا تو ہمیشہ دشمن نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ مستشرقین نے سب سے زیادہ اعتراضات کلام حکیم اور انبیاء پر انہی مفسرین کے کندھوں پر بندوقیں رکھ کر چلاتے ہوئے کئے ہیں۔ ہر مستشرق کا اعتراض جب آپ اٹھا کر دیکھتے ہیں آپ کا دل خون ہو رہا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ہاتھ میں ہتھیار کیا ہیں۔ وہ یہی ہیں کہ آپ کے فلاں مفسر نے یہ لکھا ہے۔ آپ کے فلاں مفسر نے یہ لکھا ہے اور آپ کے فلاں مفسر نے یہ لکھا ہے، ان مفسرین سے پوچھو جو

قرآن کو سمجھتے تھے، جو قرآن کی زبان جانتے تھے، جوانہی لوگوں میں پیدا ہوئے ، ہم توان کے منہ کی باتیں کر رہے ہیں اپنے منہ کی باتیں تو نہیں کر رہے اس لئے لڑنا ہے تو ان لوگوں سے لڑو۔

یہ ایک ایسا لمبا سلسلہ چل پڑا تھا کہ قرآن کریم کی ہر خوبی میں دشمن کو ایک نقص نظر آنے لگا اور انبیاء کی ہر پاکیزگی میں دشمن کو ایک خرابی دکھائی دینے لگی اور کلام حکیم دشمنوں کی نگاہ میں گویا کہ ایسی داستانوں کی کتاب بن گیا جن میں نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کے پیاروں کی بدکاریاں اور ان کے گناہ اور ان کی گندگی کا اظہار کیا گیا تھا اور قیامت تک اس کو محفوظ کر دیا گیا تھا۔ گویا یہ تعلیم دے رہا تھا کہ میرے پیارے تو ایسے ہوتے ہیں اور ان سے ادنیٰ درجہ کے جو لوگ ہیں ان کے لئے میں کیا کچھ نہ برداشت کر جاؤں گا۔ جس کو میں سچائی کے شہزادہ کے طور پر پیش کرتا ہوں، وہ تو یہ ابراہیم ہے نعوذ باللہ تین جھوٹ بولنے والا۔ جو عام لوگ ہیں جو ولی بھی نہیں جو کسی اعلیٰ مقام پر فائز نہیں ہیں وہ اگر تین ہزار جھوٹ بول جائیں تو میں کیوں معاف نہیں کروں گا اس لئے اگر سچائی کا شہزادہ تین جھوٹ بولنے والا ہے تو عام انسان تین ہزار چار ہزار جھوٹ بے شک بولے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر میرا وہ بندہ جس کو توحید کے شہزادہ کے طور پر میں پیش کرتا ہوں جس کی اظہار توحید کی شان مجھے بہت پسند آئی وہ ایسا تھا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر شرک میں مبتلا ہو جایا کرتا تھا تو اے بنی نوع انسان! تمہیں کیا فرق پڑتا ہے! اس نے اگر ستاروں چاند اور سورج کو خدا بنایا تھا تو تم زمین کے کیڑوں مکوڑوں کو اور درختوں اور جھاڑیوں کو خدا بنالو گے تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پس تفسیروں کی رو سے واقعہ ابرہیمؑ کی ایسی بھیانک شکل بنتی ہے جس پر مستشرقین کو اعتراضات کا بہانہ مل گیا۔

اور یہ کوئی استثنائی واقعہ نہیں ہے۔ ہر مقام پر بلا استثناء جہاں قرآن کریم میں کسی نبی کی کوئی خوبی بیان کی گئی وہیں بد قسمتی سے اس نبی میں کیڑے ڈالنے کا عذر تلاش کر لیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال لیجئے جسے اللہ تعالیٰ احسن القصص کے طور پر پیش فرماتا ہے کہ دیکھو! میرا یوسف کیسا پاک تھا، کتنا عظیم الشان وجود تھا، عصمت کا شہزادہ تھا اور جتنے بھی عصمت کے واقعات گزرے ہیں ان میں سب سے پیارا واقعہ مجھے یہ پسند آیا ہے جسے میں احسن القصص کے طور پر تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں اور تفاسیر پڑھیں تو عصمت کے اس شہزادہ پر وہ ظلم کئے گئے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ مغلوب الشہوات انسان کوئی نہیں تھا اور نعوذ باللہ من ذالک اسے فخر کے طور پر

اللہ تعالیٰ پیش کر رہا ہے۔

پس ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے احسان تلے دبے ہوئے ہیں اور آپ کے عشق کے دعوے کرتے ہیں اور آپ کی خاطر اپنی جانیں نچھاور کرنے کے لئے تیار ہیں اور اس لئے تیار ہیں کہ آپ نے قرآن کو ہم پر روشن فرمایا، آپ نے انبیاء کی عصمت کو دوبارہ دلائل دے کر بیان فرمایا۔ دل یقین سے بھر گئے کہ اللہ کے سارے نبی پاک تھے اور سب سے زیادہ پاک حضرت محمد مصطفی ﷺ تھے ۔اللہ کی طرف سے تمام کتابیں حکمت اور سچائی پر مبنی تھیں اور سب کتابوں سے بڑھ کر قرآن کریم تھا جو سچائی اور حکمت پر مبنی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ پر ہمیشہ رحمتیں نازل فرماتا رہے اور آپ کے اس غلام کامل پر بھی جس نے آپ کے مقام کو بڑی پیاری شان کے ساتھ ہم پر واضح فرمایا اور ہمیشہ کے لئے آپ کی محبت میں ہمیں مغلوب کر دیا۔ آپ کی محبت میں ہمیشہ کے لئے ہمیں اس طرح محو کر دیا کہ جس قسم کی بھی قیامت ہمارے سر سے گزر جائے ہم حضرت محمد مصطفی ﷺ اور آپ کے در اور آپ کے قدموں کو نہیں چھوڑ سکتے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۴؍اکتوبر ۱۹۸۳ء)